چوتھا باب

اردو نثر کی ابتدا اور تشکیل

اُردو زبان اور شاعری کے ابتدائی نقوش کا مطالعہ کر لینے کے بعد یہ اندازہ لگانا دشوار نہ ہوگا کہ دنیا کی اکثر زبانوں کی طرح اُردو میں بھی نثر کا آغاز اور نثری ادب کا ارتقا شاعری کے مقابلے میں تاخیر سے ہوا۔ جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے اس کے اسباب ہیں سماجی تعطل، معاشی حالات میں جمود کی کیفیت، بنی بنائی راہوں پر چلتے رہنے میں ذہنی عافیت اور خیالات کے لین دین کے ذرائع کی کمی۔ فکر و خیال کی سطح پر دورِ قدیم میں جو ٹھہراؤ تھا اس میں نثر کا ارتقا مشکل تھا پھر بھی اُردو کے ابتدائی دورِ تشکیل میں اسے صوفیوں سے جو سہارا ملا اس نے نثر نگاری کی داغ بیل ڈال دی۔ اگرچہ دکنی اُردو کی تخلیقات میں بھی شعری ادب ہی کو برتری حاصل رہی مگر نثر کا خاکہ بھی بنتا رہا جس کا ذکر گزشتہ اوراق میں آچکا ہے۔ اب اُسے کسی قدر تفصیل سے پیش کیا جاتا ہے۔

دکنی ادب میں خواجہ بندہ نواز گیسو دراز (وفات ۱۴۲۱ء) کی کئی نثری تصانیف کا تذکرہ ملتا ہے۔ ان میں خصوصیت سے معراج العاشقین، شکار نامہ اور تلاوۃ الوجود کو انھیں کی نثری تخلیق قرار دیا جاتا ہے۔ گذشتہ صفحات میں اس بات کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے کہ ان کا وجود تو ہے لیکن ان کا انتساب گیسو دراز سے مشکوک ہے۔ ان کا مطالعہ ادبی تصنیف کی حیثیت سے کرنے کے بجائے اس وقت کی بنتی ہوئی اُردو زبان

اور ہندو مسلم طرزِ فکر کے امتزاج کی حیثیت سے کرنا چاہیے۔ اُن کے لکھنے یا مرتب کرنے کی تحریک ادبی نہیں تھی بلکہ اپنے مذہبی اور صوفیانہ نظریات کو اپنے پیروؤں تک پہونچانے کی خواہش سے پیدا ہوئی تھی۔ یہی بات پندرھویں اور سولھویں صدی کے اکثر صوفی اہلِ قلم کے بارے میں کہی جاسکتی ہے۔ جن عالموں اور مورخوں نے اس عہد کے ادب کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ ان تخلیقات کو اس زمانے کی قرار دینے میں دشواریاں ہیں کیوں کہ ان کے قلمی مسوّدے بعد کے ہیں، ان کے کاتبوں نے وقتاً فوقتاً لفظوں اور اُن کے تلفظ میں تبدیلیاں کردی ہیں معیاری رسم خط نہ ہونے کی وجہ سے ایک ہی تصنیف کی مختلف نقلوں میں فرق پایا جاتا ہے، نقل کرنے والوں نے اپنی ضرورت اور خواہش کے مطابق ان میں کاٹ چھانٹ بھی کی ہے۔ غرض کہ ہمارے پاس اس کے یقینی ثبوت نہیں کہ معراج العاشقین کو گیسو دراز ہی کی تصنیف قرار دیا جائے۔ گیسو دراز کا مشہور نام محمد حسینی بھی دشواری پیدا کرتا ہے کیونکہ اس نام کے اور بزرگ بھی پائے جاتے ہیں۔ تاہم ابھی تک عام طور سے معراج العاشقین اور شکار نامہ گیسو دراز ہی کی تصنیف تسلیم کی جاتی ہیں۔ ان دونوں رسالوں کی زبان قدرے مشکل اور صوفیانہ پُر رمز افکار سے بھرے ہوئے خیالات کی وجہ سے پیچیدہ ہے۔ ان میں ہندی صوفیانہ خیالات کی آمیزش بھی ہے اور اُس وقت کے مہاراشٹری بھگتوں اور سنتوں کے خیالوں سے مماثلت بھی نظر آتی ہے۔ معراج العاشقین کے جو نسخے ملتے ہیں اُن میں خاصا اختلاف ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سولھویں صدی میں اس کو بہت اہمیت حاصل تھی۔

بعض شہادتوں کے مطابق گیسو دراز کے بیٹے اکبر حسینی نے بھی اُردو میں تصوّف سے متعلق کچھ رسائل تصنیف کیے لیکن یہ بات بھی یقین کے ساتھ نہیں کہی جاسکتی۔ جو بات یقینی ہے وہ یہ کہ اسی طرزِ فکر کے حامل ایک صوفی سلسلے میں کئی علمانے نظم و نثر کی متعدد کتابیں اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔ یہ ہیں میراں جی شمس العشاق، ان کے فرزند برہان الدین جانم اور جانم کے بیٹے امین الدین اعلیٰ۔ ان بزرگوں نے دکنی نظم و نثر میں جو اہم کام کیے وہ نہ صرف اپنے فلسفیانہ خیالات کی بنا پر بلکہ ادبی اعتبار سے بھی تاریخ ادب میں جگہ پانے کے لایق ہیں۔ پچھلے صفحات میں ان کی شاعری کا تذکرہ آچکا ہے، یہاں مختصراً ان کی نثری تصانیف کا تعارف مقصود ہے۔

Scanned by TapScanner

میران جی شمس العشاق مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے ۔تقریباً چونتیس سال عرب وحجاز میں گذار کر ہندوستان آئے اور بیجاپور کو اپنے قیام کے لیے منتخب کیا ۔یہی ان کی زندگی اور کمالات کا مرکز تھا اور یہیں سے انھوں نے اپنا تبلیغی کام پھیلایا ۔ اپنے پیر و مرشد کمال بیابانی کے حکم سے انھوں نے اپنے صوفیانہ خیالات عام ہندوستانی بول چال میں پیش کیے ۔نثر میں ان سے کئی رسائل منسوب ہیں لیکن اہمیت شرح مرغوب القلوب کو حاصل ہے شمس العشاق نے اپنی زبان کو ہندی کہا ہے اور اسی میں عربی سے ترجمہ کیا ہے ۔

ان کے صاحبزادے برہان الدین جانم نے باپ کے کام کو آگے بڑھایا اور ارادت کے حلقہ کو بہت وسیع کر دیا ۔ اپنی طویل عمر میں انھوں نے ارشاد و ہدایت کے سلسلے میں نظم و نثر کو ذریعہ اظہار کے طور پر استعمال کیا ۔نثر میں کلمۃ الحقایق ، ہشت مسائل اور ذکر جلی اہم ہیں ۔ انھوں نے اپنی زبان کو کہیں گوجری اور کہیں ہندی کہا ہے ۔ اس وقت تک کلمۃ الحقایق ہی شائع ہوئی ہے ۔ اس کے مطالب بہت کچھ معراج العاشقین سے مماثلت رکھتے ہیں ۔ اس میں بھی ہندوستانی صوفیانہ خیالات کی آمیزش ہے ۔

اس روایت کو ان کے بیٹے اور خلیفہ امین الدین اعلیٰ نے اور وسیع کیا جانم اور اعلیٰ کے شاگردوں نے جنوبی ہند میں خانقاہیں قائم کر کے اور عام بول چال کی زبان میں اظہار خیال کر کے صوفیانہ خیالات کی اشاعت بڑے پیمانے پر کی ۔ امین الدین اعلی اپنے باپ کے انتقال کے بعد پیدا ہوئے اور اُن کے شاگردوں اور مریدوں کے درمیان پروان چڑھے ۔ان کی مشہور تصنیف گنج مخفی ہے جس میں کلمۃ الحقائق کے خیالات کی بازگشت ہے ۔ انھوں نے بھی اپنی زبان کو دکھنی اور ہندی کہا ہے ۔ نظم و نثر دونوں میں ان کی زبان اپنے بزرگوں کے مقابلے میں زیادہ رواں اور صاف ہے اور ایسا ہونا فطری بھی تھا ۔ ان کے شاگردوں میں میران جی خدانما ، محمد قادری نوردریا ، میران حسینی ۔ شاہ معظم بہت اہم ہیں ۔ ان میں سے ہر ایک سے نظم و نثر کی کتابیں منسوب ہیں جو جنوبی ہند کے مختلف کتاب خانوں میں پائی جاتی ہیں ۔

یہ تصانیف ادبی نقطۂ نظر سے اہم نہیں ہیں لیکن ان کی اہمیت تہذیبی تاریخ میں بہت ہے ۔ ادب اور تہذیب کا کوئی مؤرخ ان کی طرف سے آنکھیں بند نہیں کر سکتا

کیونکہ انھیں کی بنیادوں پر بعد کی عمارت کھڑی ہوئی ۔ جنوبی ہند میں اُردو زبان کا فروغ
تو حاصل ہو رہا تھا لیکن سترھویں صدی کو اس کا عہد زرّیں کہہ سکتے ہیں ۔ ملّا وجہی جن کا
ذکر شاعر کی حیثیت سے دکنی ادب کی تاریخ میں ہو چکا ہے نثر نگاری میں بھی اعلیٰ مرتبے
پر فائز تھے ۔ ۱۶۳۵ء میں انھوں نے اپنی زندہ جاوید تصنیف سب رس مکمل کی ۔ یہ عظیم
کتاب ایک فارسی تصنیف پر مبنی ہوتے ہوئے بھی بالکل نئی اور تخلیقی چیز کہی جا سکتی ہے
کیونکہ وجہی نے پیچیدہ اور عمیق فلسفیانہ مسائل کو اس نوخیز زبان میں اس ادبی حسن
کے ساتھ پیش کیا ہے کہ اس میں تخلیقی کیفیت پیدا ہو گئی ہے ۔ اس کا اسلوب مقفیٰ ہونے
کے باوجود سادہ اور پُرکار ہے ۔ اعلیٰ پایے کی تمثیلی تصانیف کی طرح اس میں بھی حُسن اور
عشق، عقل اور دل، قلب اور نظر کو علامتی لباس پہنا کر زندگی کے بہت سے اخلاقی مسائل
پر ایک پُراسرار داستان کی شکل میں روشنی ڈالی گئی ہے ۔ بظاہر یہ ایک صوفیانہ تصنیف
ہے جس میں اس وقت کے عام مسائل اخلاق بیان کیے گئے ہیں لیکن اس کا مطالعہ لسانی
اور ادبی نقطۂ نظر سے بھی کیا جا سکتا ہے ۔ کسی زاویۂ نگاہ سے دیکھا جائے یہ اُردو کی اوّل
درجہ کی تخلیق قرار دی جائے گی ۔ وجہی نے کہیں اس بات کی طرف اشارہ نہیں کیا ہے کہ
وہ فارسی کی ایک کتاب کو اُردو کے قالب میں ڈھال رہا ہے بلکہ اس کے برعکس لکھتا ہے:

"آج لگن کوئی اس جہان میں، ہندوستان میں، ہندی زبان میں، اس لطافت،
اس چھنداں سوں، نظم ہور نثر ملاکر، گُلاکریوں نین بولیا ۔ اس بات کوں، اس
بنات کوں یوں کوئی آبِ حیات میں نیں گھولیا، یوں غیب کا علم نیں کھولیا ۔"

یہ وجہی کی تخلیقی تصنیف نہ سہی، اس کا یہ دعویٰ غلط نہیں کہ اس سے پہلے اُردو یا ہندی نثر
میں کوئی کتاب اس پایہ کی نہیں لکھی گئی تھی اس کے مطالعہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ نہ
صرف مواد کے اعتبار سے بلکہ خیالات، اسلوب اور ادبی فن کاری کے لحاظ سے بھی یہ انوکھی
اور غیر معمولی تخلیق ہے ۔ اس پُراسرار اور رمزیہ داستان کے بانے بانے میں بہت سے
اخلاقی اور فلسفیانہ تصوّرات پوشیدہ ہیں ۔ ان کے پیچھے محبت اور اخلاق، جنگ اور امن
رسم اور رواج کی وہی روایتیں ہیں جو ازمنۂ وسطیٰ کے ایشیا اور ہندوستان میں رائج
تھیں ۔

دکن میں اُردو ادب کی ترقی میں جو باتیں مددگار رہی ہوئیں، ان کا ذکر دوسرے باب

میں کیا جا چکا ہے۔ مگر وہ نثر کی ترقی کا زمانہ ہی نہیں تھا۔ اس لیے شعری تخلیقات کے مقابلے میں نثری تصنیفات بہت کم ہیں۔ اچھی نثر کی ترقی دنیا کے ہر ایک ادب میں اس وقت ہوتی ہے جب زندگی ترقی کی راہ طے کر لیتی ہے اگرچہ وجہی کے بعد بھی اس وقت تک دکن میں نثر میں تصنیفات کی جاتی رہیں جب تک اورنگ زیب نے ۱۶۸۷ء میں جنوبی ہند کو اپنے حدود سلطنت میں ملا نہیں لیا۔ اس درمیان میں بیش تر مذہبی کتابیں لکھی گئیں کیونکہ مذہب اس زندگی کا بڑا جزو ہوتا ہے جسے سائنسی اور صنعتی ترقی کے موقعے میسر نہ ہوں۔ اس کے علاوہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شروع میں وجے نگر کے طاقتور ہندو راج کے سامنے اپنے افتخار اور اہمیت کے ثبوت کے خیال سے اپنے کو مضبوط بنانے کے لیے مذہب کا سہارا لینا ضروری معلوم ہوا ہو۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دوسرے موضوعات پر کتابیں لکھی ہی نہیں گئیں۔ پنج تنتر اور ہتو پدیش کی مشہور کہانیوں کو دکنی اُردو میں طوطی نامہ کے نام سے منتقل کیا گیا یہ کہانیاں فارسی ترجموں پر مبنی تھیں۔ ان کی زبان بھی سب رس کی طرح دکنی اردو ہے لیکن اتنی ادبی نہیں۔

اٹھارھویں صدی میں جب ملک کا بڑا حصّہ ایک بار پھر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا، تو دکن میں ارکاٹ، میسور اور حیدر آباد کی ریاستیں قائم ہوئیں اور دکنی اُردو کی پرانی روایات کی وجہ سے ارکاٹ، مدراس اور میسور میں بھی اُردو پھیلی۔ یہی نہیں بلکہ مراٹھی زبان پر اُردو کی ہی معرفت فارسی کا اثر پڑا جو اس وقت تک باقی ہے۔ یہی وقت تھا کہ اُردو ادب کی جڑیں شمالی ہند میں پھیل رہی تھیں۔ گزشتہ ابواب میں اس کی توسیع و ترقی کا بیان کیا جا چکا ہے۔ یہاں چند نثری کارناموں کی طرف متوجہ کرنا ہے۔

لسانیات کے علما نے دلّی کے آس پاس کی اُردو زبان کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بول چال کے لیے یہ زبان ایک ترقی پذیر شکل میں بہت دنوں سے رائج تھی اور آپس کے تعلقات میں بہت سی ایسی کہاوتیں، ایسے محاورے اور جملے پیدا ہو گئے تھے جو عوام سے اس کے تعلق کا پتہ دیتے ہیں اس کا سب سے اچھا نمونہ میر جعفر زٹلی کی نظموں اور نثر کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں ملتا ہے۔ زٹلی محض مزاح و تفریح پر مشتمل چیزیں ہی نہیں لکھ رہے تھے بلکہ فحش جذبات کے اظہار میں بھی تکلف نہیں کرتے تھے اور نڈر ہو کر کسی کی مدح کرتے تھے کسی کی مذمت۔ زٹلی اورنگ زیب اور بہادر شاہ

اول کے عہد کے شاعر ہیں۔ فارسی اور بول چال کی ملی جلی زبان میں وہ اپنی نظم و نثر لکھتے تھے۔
ان کی تصنیفوں کے عمیق مطالعہ سے اس عہد کی پست حالی کا پتہ لگایا جا سکتا ہے۔ زبان
کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے ان کی تحریروں کا مطالعہ بہت ہی مفید ہوگا۔ زٹلی کی تخلیقات
کا مجموعہ کئی بار شائع ہو چکا ہے لیکن اپنی فحاشی کے باعث بہت کم پڑھا جاتا ہے اور ادب
کے تاریخ نگار بھی اُسے اہمیت نہیں دیتے۔

Scanned by TapScanner